قرآنی تصورِ ازدواج کی روشنی میں زوجین کا معاشرتی دائرہ کار (قسط دوم)

ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین*

خلاصہ:

مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ زندگی کی گاڑی نہ مرد کے بغیر چل سکتی ہے نہ عورت کے بغیر۔ ان میں سے کوئی ایک بھی زندگی سے نکل جائے تو دوسرے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ ابتدائی صحف آسمانی سے قرآنِ مجید تک ہر آسمانی کتاب میں عورت کے مقام، اس کے کردار اور تحفظ کے بارے میں واضح ہدایات نازل کی گئی ہیں۔ خواتین کے معاشرتی کردار کے تجزیاتی مطالعے کی طرف آئیں تو یہ بات واضح ہے کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا تذکرہ ہوا، وہاں ان کی تخلیق کا مقصد خلافت ارضی کی تفویض بتایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے زمین کی آبادکاری، اس میں معاشرے کی تشکیل اور اس کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری حضرتِ انسان کو سونپی گئی ہے۔ انسان یا اولادِ آدم صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہیں اور کاروبارِ زندگی کو جادۂ مستقیم پر استوار کرنے اور رکھنے میں ان کے کردار کی اہمیت مردوں کے کردار سے کسی قدر کم نہیں۔ تاریخ میں عورت سمیت کئی دیگر انسانی طبقات پر ظلم و ستم اور ناانصافی کا ذکر ملتا ہے، مگر صنفی بنیادوں پر مرد عورت کے معاشرتی کردار پر اس انداز سے بحث کی نوبت شاید کبھی نہیں آئی جس انداز سے دور جدید میں کچھ عرصے سے یہ موضوعِ گفتار و کردار بنا ہوا ہے۔ مسلمان جس طرح اپنے دینی ورثے سے عملی طور پر دور ہو کر اپنی دیگر معاشرتی اقدار کو کھو بیٹھے ہیں، اسی طرح خواتین کے حقوق کی پامالی بھی معاشرے میں ایک روگ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ پاکستان کے معروضی حالات میں اس کا پسِ منظر قیامِ پاکستان سے پہلے کے رسم و رواج بھی ہو سکتے ہیں اور اس میں وڈیرہ شاہی کے مخصوص حالات کا دخل بھی ہو سکتا ہے۔ چوں کہ ظلم و ستم کا ہمیشہ ردِ عمل ہوتا ہے۔

کلیدی الفاظ: تصورِ ازدواج، قرآن و سنت، معاشرہ، رسم و رواج، حقوق خواتین

* سیکرٹری اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان، اسلام آباد

تعمیر و ترقی میں عملِ صالح کا کردار

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ بر موقع، مناسب اور مفید اقدام عملِ صالح ہے۔ یہ ایک تکوینی اصول بھی ہے، انسانی کاروبارِ زندگی کا اصول بھی اور شریعت کا اصول بھی کہ جو چیز یا جو عنصر جس کام کے لیے بنایا گیا ہے وہی کام اس کے لیے مناسب ترین ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی چیز کا اپنی فطرت کے علاوہ استعمال یا اقدام وقتی طور کام چلا جائے یا نفع دے جائے مگر اس کی جو کارکردگی اس کے اپنے دائرۂ کار میں ہو سکتی ہے وہ اس سے باہر نہیں ہو سکتی، بلکہ دائرۂ کار کے باہر چیزوں کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ قلم کو جسم کھجانے کے لیے استعمال کیا جائے، فور ویلر گاڑی کو ہل چلانے کے لیے جوت دیا جائے، مرد کو کچن میں گھسا دیا جائے عورت کو مزدوری پہ لگا دیا جائے تو یقیناً یہ سب کام کسی حد تک ہو جائیں گے مگر اس سے ان عناصر کی کارکردگی پر بھی منفی اثر پڑے گا، کام میں کہیں نہ کہیں کمی یا کجی بھی رہ جائے گی اور اس میں استعمال ہونے والے عناصر کے اصل کاموں پر منفی اثرات بھی ہوں گے۔

عملِ صالح کی قرآنی اصطلاح کے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

عملِ صالح کے ذریعے حیاتِ طیبہ (خوشگوار زندگی) کے حصول کے بارے میں سورۂ نحل [۱۶] کی آیت [۹۷] سطور بالا میں گزر چکی۔ ذیل میں امن و سلامتی کے حصول کے لیے عملِ صالح کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

> قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[۱]
>
> اور ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاو۔ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

---

[۱]: سورۂ بقرہ ۲:۳۸-۳۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1]

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست، جو بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں ملے گا اور ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَه لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَه' اَجْرُه عِنْدَ رَبِّه وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2]

اور کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا، یہ ان لوگوں کی آرزوئیں ہیں۔ کہہ دیجیے! اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے اور نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

یہ بھی ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَه اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[3]

کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوا، اس کو قائم نہ رکھو گے، تو کسی بھی راہ پر

---

[1]: سورۂ بقرہ ۲:۶۲

[2]: سورۂ بقرہ ۲:۱۱۱-۱۱۲

[3]: سورۂ مائدہ ۵: ۶۸-۶۹

نہیں ہو سکتے۔ اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔ جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا ستارہ پرست یا عیسائی، ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1]

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لے آئے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے۔

اور فرمایا:

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2]

اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں اور ہماری آیتیں تم کو سنایا کریں تو جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی حالت درست کر لی تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

ایک اور ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[3]

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

اسی طرح سورۂ ہود [۱۱، آیت: ۵۲] اور سورۂ نوح [۷۱، آیات: ۸-۱۳] کے حوالے سے استغفار کے ذریعے

---

[1]: سورۂ انعام ۶:۴۸

[2]: سورۂ اعراف ۷:۳۵

[3]: سورۂ احقاف ۴۶:۱۳

آل اولاد اور اسباب معیشت کی فراوانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ ایک عمومی قاعدہ کلیہ general principle کے طور پر عمل صالح کو ہر خیر کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُه وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ، لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِه اِنَّه لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ[1]

جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے ہی لیے آرامگاہ درست کرتے ہیں۔

عملِ صالح میں کوتاہی کی وجہ سے اسباب معیشت چھن جاتے ہیں اور قومیں تنزل کا شکار ہوتے ہوتے تباہ ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ[2]

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیے تھے کہ تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے بہہ رہی تھیں پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور ان کے بعد اور امتیں پیدا کر دیں۔

اسی کی ایک مثال قوم سبا کے واقعہ میں قدرے تفصیل سے بیان کی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَه بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْره فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَ هَلْ نُجْزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَه وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَه فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ

[1]: سورۂ روم: ۳۰، ۴۴-۴۵

[2]: سورۂ انعام ۶:۶

اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّه فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَا كَانَ لَه عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ[1]

اہل سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی، دو باغ داہنی طرف اور بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ پاکیزہ شہر ہے اور بخشنے والا رب۔ تو انہوں نے منہ پھیر لیا، تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیے جن کے میوے بد مزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی، بستیاں آباد کر رکھی تھیں دُور سے نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا۔ سفر کرو ان میں رات اور دن بے کھٹکے۔ پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔ بے شک اس واقعہ میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان اُن لوگوں کے بارے میں صحیح پایا۔ چنانچہ یہ لوگ اس کی راہ پر ہو لیے بجز ایمان والوں کے گروہ کے۔ اور اس کا جو تسلط اُن لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لیے ہے کہ ہم معلوم کر لیں ان لوگوں پر جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگران ہے۔

اس بحث سے معلوم ہو گیا کہ عمل صالح میں عبادات بھی شامل ہیں اور ہر طرح کے رفاہی کام بھی بشرطیکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو۔ اسلام میں دین اور دنیا کا فرق نہیں بلکہ اطاعت اور معصیت کا فرق ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور ناکامی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امام زجاجؒ

[1]: سورۂ سبا: ۳۴، ۱۵-۲۱

نے صالح کی جو تعریف کی ہے وہ سطور بالا میں مذکور ہے۔اس کی عبارت:الصالح: الذي يؤدي إلى الله ما افترض عليه، ويؤدي إلى الناس حقوقهم(اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں فرض کی ہیں وہ ادا کرے اور لوگوں کے حقوق ادا کرے) عملِ صالح کی اس بحث کا خلاصہ قرار دی جاسکتی ہے۔

جس طرح زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں جوڑوں کے عمل دخل کی مثالیں دی گئیں، اسی طرح معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے اجتماعی عمل صالح میں انسانی جوڑوں کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ عملِ صالح کو جوڑوں کے ساتھ منسلک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح ہر ادارے کو چلانے کے لیے اس کے اہل کاروں میں تقسیم کار ہوتی ہے اسی طرح انسانی معاشرے کا نظام چلانے کے لیے مرد اور عورت کے درمیان تقسم کار(Job description)موجود ہے جس کا مطالعہ ہم قرآنِ مجید کے تصور ازدواج کی روشنی میں کررہے ہیں۔

جانداروں میں جب جوڑوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو عام طور پر ذہن جنسی جوڑے کی طرف جاتا ہے۔یہی صورت حال مرد عورت کے جوڑے کی ہے کہ جب اس کا تذکرہ ہو تو میاں بیوی مراد لیے جاتے ہیں یا مغربی معاشروں میں جنسی دوست مراد لیے جاتے ہیں مگر قرآنِ کریم نے مرد عورت کو بلحاظِ صنف بھی جوڑا قرار دیا ہے، جسے ہم فطری جوڑے کا نام دے رہے ہیں۔اسی طرح مرد عورت جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو انہیں بھی زوجین کہا گیا ہے، اسے ہم شرعی جوڑا کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ایک اجنبی مرد ایک اجنبی عورت کے ساتھ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رشتۂ ازدوج میں منسلک ہوتا ہے۔اس طرح قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مردوں اور عورتوں کے درمیان دو طرح کے جوڑوں کا تصور ملتا ہے جن کی تعبیر ہم نے ذیل کے عناوین سے کی ہے:

أ۔ مرد عورت کا فطری جوڑا

ب۔ مرد عورت کا شرعی جوڑا

أ۔ مرد عورت کا فطری جوڑا

قرآنی مجید نے جن آیات میں ازدواجی بندھن کے بغیر بھی مردوں اور عورتوں کو جوڑے قرار دیا ہے، ان میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لاَ یَعْلَمُوْنَ[1]

وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یَّذْرَؤُکُمْ فِیْہِ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ[2]

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے۔ اسی طریق پر وہ تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰیہ مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی[3]

اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ دو دو جوڑے بنائے، نطفے سے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی فَجَعَلَ مِنْہُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی[4]

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا؟ جو رحم میں ڈالی جاتی ہے، پھر لوتھڑا ہوا پھر اسی نے اس کو بنایا، پھر اسے درست کیا، پھر اس سے جوڑے بنادیے: ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

---

[1]: سورۂ یٰسین ۳۶:۳۶

[2]: سورۂ شوریٰ ۱۱:۴۲

[3]: سورۂ نجم ۵۳: ۴۵-۴۶

[4]: سورۂ قیامۃ: ۷۵، ۳۶-۳۹

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْر اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّہ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ[1]

آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑے جوڑے عنایت فرماتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ جاننے والا، قدرت والا ہے۔

طاہر بن عاشور سورۂ نجم میں ارشادِ باری تعالیٰ {خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ} کی تفسیر میں لکھتے ہیں: هذه الآية وإن كانت مستقلة بإفادة أن الله خالق الأزواج من الإنسان خلقا بديعا من نطفة فيصير إلى خصائص نوعه[2] (یہ آیت اگرچہ مکمل طور پر اس مضمون پر مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک انوکھے انداز میں پیدا فرمایا کہ اس کی اصل تو نطفہ ہی ہے مگر پیدائش کے عمل میں وہ الگ الگ صنفی خصوصیات حاصل کرلیتا ہے)۔

عملِ صالح میں مساواتِ مرد و زن

قرآنِ مجید نے جس عملِ صالح کو حیاتِ طیبہ کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے وہاں بلا تخصیص مرد عورت دونوں کا ذکر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَ لَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ[3]

جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو پاک اور آرام کی زندگی میں زندہ رکھیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔

اس طرح وہ دونوں عملِ صالح کے لحاظ سے برابر ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ:

وَاِنْ تُطِیْعُوا اللہَ وَرَسُوْلَہ لاَ یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا[1]

---

[1]: سورۂ شوریٰ: ۴۲، ۴۹-۵۰

[2]: ابن عاشور: التحریر والتنویر، النجم: ۴۵، ۵۳

[3]: سورۂ نحل ۱۶: ۹۷

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔

کے لیے میں ان دونوں کے اعمال شامل ہیں۔

اب قرآنِ مجید کے تصورازدواج کے تحت مرد اور عورت دونوں کے اعمال صالحہ تین طرح کے ہیں۔ کچھ اعمال اور رویے ایسے ہیں جو صنفین کے لیے ایک جیسے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو صرف مردوں کے ساتھ خاص ہیں اور کچھ وہ ہیں جو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ ان سب اعمال اور رویوں کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں، قرآنِ مجید کی روشنی میں دونوں صنفوں کے تخصصات کی کچھ مثالیں یہاں عرض کی جاتی ہیں:

معاشرتی ترقی میں فطری جوڑے کا کردار

فطری جوڑے کا ایک پہلو منفی (Negative) ہے اور دوسرا مثبت (Positive)۔ منفی پہلو کو سلبی اور مثبت کو ایجابی بھی کہا جا سکتا ہے۔ منفی پہلو کا قرآنی فلسفہ یہ ہے کہ عورت مرد کو ہر ممکن طریقے سے غیر ضروری اختلاط سے روکا جائے، تاکہ معاشرے کے وسیع تر مفاد میں فیملی یونٹ کے ذمے بنیادی طاقت کی پیداوار main production power کا جو کام لگایا گیا ہے اس کی کارکردگی متاثر نہ ہو اور نہ ہی اس کی پیدا کی ہوئی طاقت کا کہیں غیر ضروری یا غیر قانونی اِخراج ہو۔ یہ طاقت ایک طرف عفت، عصمت، حیا اور خود داری کی طاقت ہے جسے اگر معاشرے کی (Pressure seal) کا نام دے دیں تو شاید غلط نہ ہو۔ اس توانائی کے انتاج اور تحفظ کے لیے شریعت نے کئی عملی اقدامات بتائے ہیں، جن میں سے مثال کے طور پر نظروں کی حفاظت، شرمگاہوں کی حفاظت، پردے اور گھروں کے ذاتی تحفظ (Privacy Policy) کے اقدامات کا یہاں بطورِ مثال ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان ہدایات میں مرد عورت دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کیے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ جب مرد یا عورت ان ہدایات پر عمل کر کے شریعت کی منشا کو بجا لاتے ہیں تو یہی ان میں سے ہر ایک کے لیے عملِ صالح ہوتا ہے جس سے حیاتِ طیبہ تشکیل پاتی ہے۔

گھروں کے ذاتی تحفظ (Privacy Policy) کے سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَدْخُلُوْا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلاَ تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا

[1]: سورۃالحجرات۴۹: ۱۴

فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْکٰی لَکُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ھ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ[1]

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں ان کے رہنے والوں سے اجازت لیے اوران کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے۔ ہاں! اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی بستا نہ ہو، اور اس میں تمھارا اسامان ہو، تم پر کچھ گناہ نہیں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اور جو پوشیدہ کرتے ہو خدا کو سب معلوم ہے۔

نظروں اور شرم وحیا کی حفاظت کے لیے ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوبِھِنَّ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِ بُعُولَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِ بُعُولَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِھِنَّ اَوْ نِسَآئِھِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُوْلِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآئِ وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ[2]

مومن مردوں سے کہہ دو، کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے، اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں

---

[1]: سورۂ نور: ۲۴،۲۷-۲۹

[2]: سورۂ نور: ۲۴،۳۰-۳۱

نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں، اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا، نیز ان خدّام کے سوا جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو لڑکیوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں، کسی پر اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں، اور اپنے پاؤں نہ پٹخیں کہ جو زیب و آرائش انہوں نے پردے میں رکھی ہوئی ہے اس کا پتہ چل جائے اور مومنو! سب اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ان آیات کریمہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نظریں جھکائے رکھنے اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم تو مرد عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، مگر اسی ضمن میں عورت کو مزید ایسے احکام بھی ساتھ ہی دے دیے ہیں جو غیر مردوں کے ان کی طرف غیر شرعی میلان کی راہ میں رکاوٹ بن کر ان کی عفت و عصمت کی ضمانت بن سکتے ہیں۔ نظریں جھکانے کا یہی حکم حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس روایت میں بھی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ؛ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا ! قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم :فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلاَّ الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ؛ قَالُوا : وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ ، وَكَفُّ الأَذَى ، وَرَدُّ السَّلاَمِ ، وَالأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ [1]

راستوں میں مت بیٹھو، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! ہمارے لیے بیٹھے بغیر چارہ نہیں کیوں کہ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس سے باز نہیں آسکتے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اس کا حق کیا ہے تو آپ نے فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھے کاموں کی دعوت دینا اور برے کاموں سے روکنا۔

عفت و عصمت کے باب میں چوں کہ خواتین کو جارحیت کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس لیے نظروں اور

[1] ۔شعب الایمان: تحریم الفروج ومایجب من التعفف ۳۰۰: ۷

شرمگاہوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انہیں مقاماتِ زینت کی پردہ پوشی کا بھی حکم دیا گیا۔امام قرطبیؒ کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ نظروں اور شرمگاہوں کی حفاظت کن چیزوں سے کی جائے، مگر یہ سب کچھ عموماً واضح ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے مراد حرام ہے حلال نہیں[1]۔

اب اگر ماحول کا عذر پیش کیا جائے تو اس کا حل صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

سعید بن ابی الحسن نے حضرت حسن سے عرض کیا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کھلے رکھتی ہیں تو انہوں نے فرمایا: اپنی نظریں پھیر لو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ[2]

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ جو کام یہ کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔

دورِ جدید کے مشہور مصلح سید قطبؒ کہتے ہیں:

اسلام اپنا صاف ستھرا معاشرہ قائم کرنے کے لیے سزاؤں کو بنیاد نہیں بناتا بلکہ وہ کسی بھی اقدام سے پہلے تحفظ کا انتظام کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ طبعی تقاضوں کا قلع قمع کرنے کی بجائے ان کے لیے ایک صاف ستھری فضا کی ضمانت دیتا ہے جس میں خود ساختہ محرکات کی کوئی جگہ نہیں۔ اس سلسلے میں اِسلامی اسلوبِ تربیت کا غالب عنصر بہکنے کے مواقع کو کم سے کم کرنا، فتنے کے محرکات کو دفع کرنا اور ہیجان کے ذرائع کا سدباب کرنے کے ساتھ ساتھ ان فطری تقاضوں کو پاکیزہ اور شرعی طریقوں کے ساتھ پورا کرنے کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر گھروں کی حرمت کا تصور دیا گیا جس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں تاکہ لوگوں کو اپنے گھروں کے اندر اچانک اجنبی لوگوں کا سامنا نہ کرنے پڑے،

[1]: تفسیرِ قرطبیؒ [سورۂ نور ٣٠: ٢٤-٣١]

[2]: سورۂ نور ٢٤: ٣٠

> بلکہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنا اور اجازت نہ ملنے تک داخل نہ ہونا ضروری قرار دے دیا گیا۔ اس انتظام کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ لوگ اچانک دوسروں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کی نجی زندگی کو پامال نہ کریں، نہ ہی ان کے رازوں اور خفیہ امور پر مطلع ہوں۔ عورتوں اور مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم اور عورتوں کو زیب و زینت کی نمائش کرنے سے منع کرنا بھی خواہشاتِ نفس کو بھڑکانے سے روکنے کے ہی انتظامات ہیں... اس کے مقابلے میں امیر غریب سب کے لیے نکاح شادی کا نظام جاری کرنا پاکدامنی کی حقیقی ضمانت ہے[1]۔

مرد عورت کے اسی غیر شرعی اختلاط کو روکنے کے لیے ہی خواتین کو پردے کا حکم دیا گیا جیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[2]
>
> اے پیغمبر اپنے بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کو لٹکالیا کریں، یہ اس سے قریب تر ہے کہ انہیں پہچان لیا جائے اور تکلیف نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ غفور ور حیم ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ضمن میں چھ مباحث بیان کیے ہیں جن میں سے پہلی بحث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد اطہار کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ دوسری بحث میں بتایا ہے کہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں کمزور کردار کی عادی ہوتی تھیں اور باندیوں کی طرح اپنے چہرے کھلے رکھ کر باہر نکلتی تھیں جس کی وجہ سے مردوں میں ان کی طرف دیکھنے اور ان کے تصور میں کھو جانے کا داعیہ پیدا ہوتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب خواتین کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا چاہیں تو اپنی چادریں چہروں پر لٹکالیا کریں تاکہ ان میں اور باندیوں میں فرق واضح ہو جائے اور پردے کی وجہ سے آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے اور غیر شادی شدہ لڑکے انہیں تنگ نہ کریں۔ اس کے بعد کے مباحث میں امام قرطبیؒ نے جلباب اور دوپٹے میں فرق اور چہرے پر جلباب لٹکانے کی کیفیت بیان کی

---

[1]: فی ظلال القرآن [سورۂ نور: ۲۷، ۲۴-۲۹] ۵: ۲۷۱

[2]: سورۃ الاحزاب ۵۹:۳۳

ہے[1]۔

یہاں عام طور پر جدید ذہنوں کی طرف سے ایک بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اِسلام نے آزاد اور غلام عورتوں کے درمیان اتنا واضح فرق کیوں روا رکھا ہے۔ آزاد عورتوں کے تحفظ کے لیے تو جلباب اور پردے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ باندیوں کو ان تمام خطرات کے اندر بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا جن سے آزاد عورتوں کو بچانے کا اہتمام کیا گیا تھا تو اس کے جواب کے لیے تفصیلی مقالے کی ضرورت ہے جس میں دنیا بھر کے نظام غلامی سے مثالیں دے کر اِسلام کے نظامِ تحفظ کو واضح کیا جائے، اگر اللہ نے چاہا تو اس موضوع پر تفصیلی مقالہ لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں سر دست یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اِسلام کا مزاج تربیتی اور انداز تدریجی ہے، جس برائی کی جڑیں معاشرے میں جس قدر مضبوط تھیں اسی قدر مضبوط حکمت عملی اور تدریجی عمل پیہم کے ذریعے معاشرے کو اس سے پاک کرنے کی سعی کی گئی۔ غلامی کا نظام چوں کہ ایک بین الاقوامی نظام تھا اور اس کی جڑیں مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھیں، غلام اور باندیاں اپنے خاندانوں اور قبائل سے کوسوں دور اپنی شناخت کھو چکے تھے، انہیں انسان کم اور سامان زیادہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس نظام کو کھوکھلا کرنے اور بھولے بسرے نام و نسب والے غلاموں اور باندیوں کو نام و نسب تلاش کر کے دینے یا ان کے اصل نام و نسب نہ مل سکنے کی صورت میں انہیں نئی نسبتیں الاٹ کرنے کا عمل ایک نہایت پائیدار حکمت عملی تھی جس پر کافی وقت صرف ہوا جب کہ معمول کے مواطنین اور شہریوں کے لیے احکام نسبتاً زیادہ تیزی سے نافذ ہوتے رہے۔ انہی احکام میں سے معمول کی شہری خواتین کے لیے پردے کا حکم بھی تھا جو کہ اس وقت باندیوں کے لیے ممکن ہی نہ تھا کیوں کہ وہ افراد کی ذاتی ملکیت شمار ہوتی تھیں اور ان کا معاشرے میں اختلاط بہت زیادہ تھا، اسی لیے ان کی نسبت نظروں کی حفاظت والی آیت پر عمل سے معاشرتی اقدار کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت بخاری کی اس روایت سے ہو سکتی ہے کہ: سعید بن ابی الحسن نے حضرت حسن سے عرض کیا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کھلے رکھتی ہیں تو انہوں نے فرمایا: اپنی نظریں پھیر لو... زہریؒ نے نابالغ لڑکیوں کی طرف دیکھنے کے بارے میں فرمایا: لا يصلح النظر الى شيء منهن ،ممن يُشتهى النظر اِليه واِن كانت صغيرة (جن لڑکیوں کی طرف دیکھنے کی طرف نفس کی خواہش ہوتی ہو ان کے کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں اگرچہ وہ کم عمر ہی ہوں)... وكره عطاء النظر اِلى الجواري التي يبعن بمكة اِلا أن يريد أن يشتري (عطاءؒ نے ان باندیوں کی طرف دیکھنے کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے جو

[1]۔ تفسیر قرطبی ۱۴: ۲۴۳، سورۂ احزاب ۳۳: ۵۹

مکہ میں بیچنے کے لیے لائی جاتی تھیں، سوائے اس کے کہ کوئی انہیں خرید نا چاہے)[1]۔

ایک مسلم ریاست کی مکمل شہری خواتین کا تذکرہ بھی ہو چکا جن میں ضمناً غیر مسلم کلچر کی خواتین کا تذکرہ بھی آگیا اور پھر کچھ تذکرہ باندیوں کا بھی ہوا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلم ریاست کی معاشرتی طور پر اعلیٰ درجے Upper Class کی خواتین کے ساتھ مردوں کے اختلاط کا تذکرہ بھی قرآنِ مجید کی روشنی میں ہو جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سربراہان حکومت، وزراء اور بڑے مناصب پر فائز لوگوں کی بیگمات مخلوط محافل میں شریک نہ ہوں یا پردے کی پابندی کریں تو یہ بات ان مناصب کے شایان شان نہیں، مگر قرآن پاک نے دنیا کو اپنا کلچر، اپنا تشخص اور اپنی وضع قطع کا نظام دیا ہے۔ جس میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا خصوصیت سے تذکرہ ہے جیسا کہ آیت بالا میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ حکم نازل ہوا وہ صرف پیغمبر ہی نہ تھے مدینہ کی ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ اسی طرح ازواج رسول کو امہات المؤمنین کہنے کے باوجود ان کی روحانی اولاد یعنی تمام مسلمانوں کو ان کے پردے کا لحاظ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور ضرورت پڑنے پر ان سے کچھ لین دین پردے کے پیچھے سے کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِ نَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْى مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْى مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ[2]

مومنو! پیغمبر علیہ السلام کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو۔ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو۔ یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ یہ تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لیے بہت پاگیزگی کی بات ہے۔

---

[1]: صحیح بخاری: کتاب الاستئذان ۳: ۸۲۵۵

[2]: سورۃ الاحزاب ۵۳:۳۳

سید قطبؒ لکھتے ہیں: ان آیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز معاشرت کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ کی اپنی ازواج کے ساتھ عائلی زندگی کیسی ہو، امہات المؤمنین کے دوسرے مردوں کے ساتھ تعلق کی حدود و قیود کیا ہوں، مسلمانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنا جانا کس طریقے سے ہو؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھرانے کے اللہ تعالیٰ کے ہاں، ملائکہ کے ہاں اور ملأ اعلیٰ کے ہاں مقام و مرتبے کا تذکرہ ہے۔ پھر ایک عمومی حکم بیان کیا گیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپؐ کی بنات طاہرات اور تمام مومن عورتیں شامل ہیں اور اس حکم کے ذریعے کسی انسانی ضرورت کے تحت گھروں سے باہر نکلنے کی صورت میں ان کے لیے بڑی اوڑھنیوں کا پلو چہرے پر لٹکا کر پردہ کرنے کو لازم کر دیا گیا[1]۔

اگر غور کیا جائے تو سربراہانِ مملکت اور عمائدین ریاست کی خواتین کا مخلوط مجالس و محافل میں بغیر حجاب آنا اور خصوصاً غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ ان کا اختلاط ملکی پالیسیوں اور رموز و اسرار کے تحفظ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس امت کی پاکیزہ ترین خواتین میں سے تھیں مگر اس کے باوجود انہیں حکم دیا گیا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[2]

اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو نرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے، وہ کوئی لالچ نہ پیدا کرلے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھائو اور نماز پڑھتی رہو۔ اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی

[1]: فی ظلال القرآن، سید قطب ۶: ۹۲، سورۃ احزاب ۳۳: ۵۳

[2]: سورۃ احزاب: ۳۳، ۳۲-۳۳

فرماں برداری کرتی رہو۔ اے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے
اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

سطورِ بالا میں عورت مرد کے فطری جوڑے کے منفی یا سلبی پہلو کی چند مثالیں درج کی گئیں جو فطری ازدواج کے باوجود غیر محرم مرد عورت کے اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہنے اور بحالت مجبوری ایک دوسرے سے رابطے کی صورت میں اختیار کی جانے والی احتیاطی تدابیر کی واضح مثالیں ہیں۔ وہاں اس جوڑے کا باہمی تفاعل تو ہے مگر یہ تفاعل ان دونوں صنفوں کی اپنے اپنے دائرۂ کار میں کارکردگی سے پیدا ہونے والی معاشرتی قوت کی صورت میں ہے جو ایٹم کے الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی طرح یا مقناطیس کے قطب جنوبی اور قطب شمالی کی طرح اپنے اپنے مقام پر متحرک رہ کر حیاتِ انسانی کا معاشرتی سرکل چلاتی ہے۔ اگر ان دونوں قوتوں کے دائرہ ہائے کار خلط ملط ہو جائیں اور یہ اختلاط وسیع پیمانے پر پھیل جائے تو معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور جس توازن سے اسے چلانا شریعت کا مقصود تھا وہ توازن بگڑ کر فساد، بے چینی، بدامنی اور بدسلوکی کا باعث بنتا ہے۔ اس بات کو قرآنِ مجید نے فحاشی کے پھیلاؤ سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1]

جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت
میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخرت کا عذاب تو ظاہر ہے، دنیا کے عذاب میں ایک طرف ان کارہائے بد کی شرعی سزا ہے اور دوسری طرف وہ دنیوی نقصانات ہیں جو ان غیر شرعی حرکات کی وجہ سے اخراجات اور وقت کے ضیاع کی صورت میں ہوتے ہیں۔ آج کل کے معاشرے میں فضول تحائف کا تبادلہ اور SMS کی لعنت میں برباد ہونے والی دولت، وقت اور انسانی صلاحیتیں اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ انسانی قوت حیویہ کا بے سود ضیاع اس پر مزید ہے کہ گناہ بے لذت کے اس کھیل کے انسانی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ امریکا، برطانیہ اور دیگر آزادِ محض معاشروں میں جاری کیے جانے والے سروے اس کا واضح ثبوت ہیں۔

اب اسی فطری جوڑے کے مثبت (Positive) پہلو پر ہلکی سی نظر ڈالتے ہیں۔ اس پہلو میں مرد اور عورت کے غیر جنسی اختلاط اور براہِ راست تفاعل کے ذریعے شریعت کی منشاء معاشرے کے مختلف شعبوں کو

[1]: سورۂ نور ۱۹:۲۴

قوت فراہم کرنا ہے۔ یہ اختلاط باہم محرم مردوں عورتوں کے معاشرتی تفاعل پر مشتمل ہے۔ مردوں میں سے والد، چچا، ماموں، بھائی، بیٹے، نیز انہی رشتوں کے اوپر اور نیچے کے رشتوں کا صنف ثانی سے اپنے مقابل رشتوں بیٹی، بھتیجی، بھانجی، بہن اور انہی کے اوپر نیچے کے رشتوں کے ساتھ معاشرتی اختلاط اور تفاعل زندگی بھر کے لیے شفقت واحترام، محبت و خدمت اور تحفظ واطاعت کے باہمی تقویتِ عمل کی ایسی ضمانت ہے جو معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان کے استحکام کے کام آتی ہے۔ اس تفاعل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رشتوں میں بڑے افراد کی طرف سے شفقت، محبت اور تحفظ چھوٹے رشتوں کو مہیا ہوتا ہے اور چھوٹے رشتوں کی طرف سے احترام، خدمت اور اطاعت بڑے رشتوں کے حصے میں آتے ہیں۔ انہی رشتوں کے مد مقابل ماں، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی اور انہی کے اوپر نیچے کے رشتے نیز، سوتیلی ماں، چچی اور ممانی انہی رشتوں کے مد مقابل مردانہ رشتوں کے لیے محرم قرار پاتے ہیں اور باہمی تفاعل کے مذکورہ بالا کرداروں کے ہم وزن کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ شرعی ذمہ داریوں کے اعتبار سے صنف مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے کرداروں کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے مگر قدر و قیمت کے اعتبار سے یہ مذکورہ بالا جوڑوں کے کردار کے ہم وزن بلکہ بعض اوقات ان سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان تمام کرداروں کی عملی صورتیں معاشرے کے ڈھانچے کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ محرم رشتوں کی ایک فہرست قرآنِ مجید نے یوں ذکر کی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[1]

تم پر تمہاری مائیں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں بھی جنہیں تم پرورش کرتے ہو، اِلّا یہ کہ تم نے ان بیویوں کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو

[1]: سورۂ نساء ۲۳:۴

بیٹے تمہاری نسل سے ہوں ان کی بیویاں بھی، اور یہ بھی تم دو بہنوں کو یکجا کر دو سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ان ازدواجی انتظامات کے تحت خاندان کسی معاشرے کے لیے وہ اہمیت رکھتا ہے جیسے سائنسی تحقیق کی روشنی میں یہ بات مسلم ہے کہ کائنات کے ہر دائرے کے لیے ایک مرکز ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح انتظامی طور پر یہ ثابت ہے کہ ہر بڑے ادارے کا ایک مرکز (Head Quarter/Head Office) ہوتا ہے۔ اسی طرح خاندان ہر جوڑے کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ب۔ مرد عورت کا شرعی جوڑا

اس سے مراد وہ جنسی جوڑا ہے جس میں دو مختلف فطری جوڑوں کا ایک ایک فرد شریعت کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ فطری جوڑوں کا ڈھانچہ نسب اور قریبی رشتہ داری پر قائم ہوتا ہے جب کہ شرعی جوڑے کی بنیاد نسبت پر استوار ہوتی ہے۔ نسبت کا یہ تعلق خاندان کی بنیادی اکائی قرار پاتا ہے۔ اسی نسبت سے تعلق پانے والے دونوں افراد میاں بیوی کہلاتے ہیں اور جب اس شرعی جوڑے میں شرعی ہدایات کے مطابق افزائش نسل کا عمل جاری ہوتا ہے تو بیٹوں اور بیٹیوں کی صورت میں نئے رشتے جنم لیتے ہیں، پھر جب ان نئے افراد کی تعداد بڑھتی ہے تو وہ بہن اور بھائی قرار پاتے ہیں۔ یہ تو رشتوں کی ایک سمت ہوئی۔ دوسری سمت جو لوگ پہلے سے بہن بھائی تھے اب وہ اس شرعی جوڑے کے کسی ایک فرد سے زیادہ نسبی قرابت رکھنے کی وجہ سے ماموں، چچا، پھوپھی اور خالہ کے القاب پاتے ہیں اور جو لوگ پہلے والد اور والدہ تھے وہ اب نانا، نانی اور دادی دادا بن جاتے ہیں۔ جو لوگ پہلے ان رشتوں پر فائز تھے وہ دھیرے دھیرے نئی نسل کے لیے دور کے رشتہ دار بنتے گئے۔ یہ سب مل کر ایک برادری ہوئی اور کئی برادریاں مل کر معاشرہ بن گیا۔ معاشرۃ کی لفظی ساخت پر اگر غور کیا جائے تو یہ عربی کے باب مفاعلۃ کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا اصل مادہ ع ش ر ہے جس کا معنی زندگی گزارنا ہے اور عربی میں عشیرۃ قبیلے کو کہتے ہیں اور معاشرہ مصدری معنی میں مل جل کر رہنے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اردو میں جس معنی میں استعمال ہوتا ہے عربی میں اس کے لیے مجتمع (اکٹھا ہونے کی جگہ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر فرد کو اپنا اپنا کردار اپنے اپنے تخصص اور دائرۂ کار کے مطابق ادا کرنا ہوتا ہے جس میں اگر وہ کوتاہی کرے تو معاشرے کی قوت کمزور ہوتی ہے اور یہ کوتاہی عام ہو جائے تو معاشرے کی جڑیں ہل جاتی ہیں اور بالآخر تباہی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ معاشرے میں بعض اوقات مختلف نظریاتی یا مختلف مذہبی برادریاں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے آپس میں تفاعل کے اصول بھی شریعت نے دیے ہیں، ان کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

مرد عورت کے شرعی جوڑے کے ضمن میں یہ فرق واضح کرنا ضروری ہے کہ جانوروں کے جنسی جوڑوں کا ظاہری مقصد محض افزائش نسل ہوتا ہے اس لیے کسی دین نے ان کی نسبتوں کے بارے میں ہدایات نہیں دیں جیسے انسانی شرعی جوڑوں کے لیے نکاح، طلاق اور اسالیب معاشرت کا تصور دیا گیا ہے۔ پالتو جانوروں کا مشاہدہ عام طور پر ہر آدمی کر سکتا ہے۔ بھینسوں، گائیوں، بکریوں اور بھیڑوں وغیرہ کے پورے پورے ریوڑ کے لیے صرف ایک ایک نر کافی سمجھا جاتا ہے، جس سے افزائشِ نسل کا مقصد پورا ہوتا رہتا ہے اور ان نسلوں کے افراد کھیتی باڑی، سواری، دودھ کی فراہمی حتیٰ کہ جان کی بازی لگا کر گوشت کی فراہمی کا اپنا فطری وظیفہ بجالاتے ہیں۔ جب کہ آسمانی ہدایات کی روشنی میں انسان کی پیدائش کا مقصد تشکیل معاشرہ ہے، جو ایک خاص قسم کی تنظیم و ترتیب کی متقاضی ہے۔ چوں کہ معاشرے کی تشکیل و تدبیر کا کام بنی آدم کے ذمے لگایا گیا ہے، لہٰذا اس میں ہر فردِ بشر کی ایک خاص پہچان، اس کے دائرۂ کار کا تعین، اور خاص قسم کی صلاحیتوں سے اس کی کوائف بندی ضروری ہے۔ معاشرہ ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس میں چھوٹے بڑے بہت سے یونٹ ہیں، ہر یونٹ کا اپنا داخلی نظام ہے اور ہر نظام سے متعلقہ انسانوں کا اپنا اپنا دائرۂ کار ہے، چاہیں تو اسے انگریزی کے لفظ Job desciption سے تعبیر کر لیں، مثال کے طور پر ملک کے صدر صاحب وزیر اعظم صاحب کے معاملات میں دخل دیں، یا وزیر اعظم صاحب صدر صاحب کے اختیارات اپنے قابو میں کرنے کے لیے بے تاب رہیں تو ان کا اپنا اصل کام بری طرح متاثر ہوگا، بدامنی پھیلے گی، کشیدگی بڑھے گی اور وہ سب کچھ ہوگا جس کی ایک ریاست کو ناکام ریاست کے درجے پر فائز کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے، دیگر مناصب اور ذمہ داریوں کو اسی کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ معاشرے میں تقسیم کار کے لیے بنیادی چیز ہر اہل کار اور ہر ادارے کی تخصصاتی شناخت ہے۔ پھر ان میں سے ہر فرد اور ہر ادارہ اگر خلوص سے اپنا فرض منصبی نبھائے گا تو اسے عزت ملے گی اور سب کی عزت مل کر معاشرے کی عزت بنے گی۔

معاشرے میں پہچان اور اپنی ذمہ داریوں میں مخلص ہونے کو قرآنِ مجید نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ[1]

[1]: الحجرات ۴۹:۱۳

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بیشک خدا سب کچھ جاننے والا ہے (اور) سب سے خبردار ہے۔

جس طرح اس آیت میں معاشرے کی دو بڑی اکائیوں یعنی قبائل اور قوموں کا تذکرہ ہے اسی طرح قرآنِ مجید میں جابجا تشکیل خاندان کے لیے نہ صرف ہدایات دی گئی ہیں بلکہ اسے بہتر انداز میں چلانے کے لیے ضروری رہنمائی بھی فراہم کی گئی ہے، بلکہ خدانخواستہ اگر خاندان کی بنیاد بننے والے میاں بیوی میں اگر کہیں ناچاقی کی صورتحال پیش آجائے تو اسے ختم کرنے کے مختلف طریقے بتائے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ناچاقی ختم کرنے کی کوئی صورت نہ بن پائے تو فہم و خرد پر مبنی جدائی کے مختلف طریقے اور جدائی کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایک حکیمانہ نظام العمل دیا ہے، جسے انگریزی قانون میں maintinance کہا جاتا ہے۔

شرعی جوڑا جوں ہی قائم ہوتا ہے شریعت کی نظر میں وہ ایک انتظامی یونٹ ہوتا ہے جس میں مرد منتظم اور عورت اس کی معاون ہوتی ہے۔ مرد کے انتظام میں گھر کی سربراہی، اس کا دفاع اور مالیات و ضروریات کی فراہمی ہوتی ہے جب کہ عورت کی ذمہ داری شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اس کی اطاعت، اشیائے ملکیت، اپنی عزت و عصمت اور افراد خانہ کی اخلاقی نگرانی اور حفاظت ہوتی ہے۔ گھر میں محبت، پیار، شفقت اور سکون و اطمینان کی فضا پیدا کرنا اور اس کا خیال رکھنا عورت کا فطری تخصص ہے۔ یہ انتظامی اکائی تھانے کچہری کی طرح نہیں ہوتی جس میں افراد کا تعلق افسر و ماتحت کا ہوتا ہے بلکہ یہاں میاں بیوی کا انتظامی تعلق بھی انسانی اقدار کے زور پر چلتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام تر مردانہ اختیارات کے باوجود گھریلو زندگی میں جو مثال قائم کی وہی ان آیات کی تفسیر ہے جن میں اس انتظامی یونٹ کے خدوخال اور احکام بتلائے گئے ہیں۔ امید ہے ہم مستقبل قریب میں ان شاء اللہ مرد عورت کے تخصصات پر ایک تحقیقی مضمون لکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو دراصل اسی مضمون کی تکمیل ہوگی۔ فی الحال چند آیات کی طرف اشارہ کرکے خاندانی یونٹ میں بھی اصول ازدواج کی جھلک دکھانا مقصود ہے۔ انتظامی یونٹ کے کرداروں کی تقسیم قرآنِ مجید نے یوں کی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآاَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ...[1]

مرد عورتوں پر منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کی اطاعت کرتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے ان چیزوں کی خبر داری کرتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت والا بنایا ہے۔

یہاں ایک دوسرے پر فضیلت دینے کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ہی مراد لیا ہے اور انتظامی امور چلانے کے لیے کسی ایک کا بااختیار ہونا ضروری ہے ورنہ وہ انتظامی یونٹ نہیں رہے گا۔ بعض خواتین کی طرف مردوں کی تفضیل کا مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اٹھایا گیا تو قرآنِ مجید نے اس کا فیصلہ یوں فرمادیا:

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِه بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِه اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا[2]

اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی تمنا مت کرو مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تفضیل کے کچھ پہلو مفسر ابوالسعود العمادی نے گنوائے ہیں مگر ان کا تذکرہ اس مقام پر مقصود نہیں۔ مرد کے اسی انتظامی منصب کو درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

---

[1]: سورۂ نساء۴: ۳۴

[2]: سورۂ نساء۳۲:۴

بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ[1]

اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ روکے رہیں اور اگر وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اور ان کے خاوند اگر موافقت چاہیں تو اس مدت میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے اور اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ اس انتظامی سربراہی کو بھی عورت کی محبت اور اس کی اخلاقی مدد کے بغیر قرار حاصل نہیں ہو سکتا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ[2]

اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف مائل ہو کر سکون پاؤ اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں یقیناً نشانیاں ہیں۔

اس قدر واضح ارشاد باری تعالیٰ کے بعد اس انتظامی یونٹ کی انفرادیت اور امتیاز کا معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، اگر اب بھی ہم کسی خارجی اثر کے تحت اس سے آنکھیں پھیرے رہیں تو اس کا اثر ہمارے ہی معاشرے پر ہو گا کسی اور پر نہیں۔ انتظامی تخصصات وہی ہیں جو قرآن نے بیان کیے ہیں مگر قوتِ محرکہ خواہش نفس نہیں بلکہ شریعت کی ہدایات ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو گھر کا نگران قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں کی نگرانی ایک دوسرے سے یک سر مختلف ہے اور یہی شریعت کو مطلوب ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں اور مساواتِ مرد و زن کا یہی تصور اسلام نے پیش کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جناب نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1]: سورۂ بقرہ ۲: ۲۲۸

[2]: سورۂ روم ۳۰: ۲۱

ألا كُلُّكُم راعٍ و كُلُّكُم مَسؤولٌ عَن رَعِيَّتِه ؛ فَالأَميرُ الَّذي عَلَى النّاسِ راعٍ و هُوَ مَسؤولٌ عَن رَعِيَّتِهِ ، وَالرَّجُلُ راعٍ عَلى أَهلِ بَيتِهِ و هُوَ مَسؤولٌ عَنهُم ، وَ المرأةُ راعِيةٌ عَلى بَيتِ بَعلِها و وُلدِهِ و هِيَ مَسؤولَةٌ عَنهُم ، وَ العَبدُ راعٍ عَلى مالِ سَيِّدِهِ و هُو مَسؤولٌ عَنهُ ، ألا فَكُلُّكُم راعٍ و كُلُّكُم مَسؤولٌ عَن رَعِيَّتِهِ.

خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے، چنانچہ امیر جو تمام لوگوں کا حاکم ہے وہ نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مرد اپنے اہلِ خانہ پر نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے، اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، خبردار! اس طرح تم سبھی نگران ہو اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

یہ روایت امام ترمذی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے[1]، امام بیہقیؒ کی شعب الایمان[2] میں والمرأة راعية على بيت بعلها وولده وهي مسؤولة عنهم (اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہی ان کے بارے میں جوب دہ ہے) کے الفاظ ہیں۔

اس انتظامی یونٹ کے مناصب کی تقسیم کے بارے میں جس طرح شریعت نے دوٹوک انداز اختیار کیا ہے اسی طرح اسے حتی المقدور قائم رکھنے کے لیے بھی واضح ہدایات دی ہیں۔ بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نیا جوڑا بنانے کے لیے بھی شریعت نے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں تاکہ روزِ اول سے انتخاب ہی مناسب افراد کا کیا جائے۔ اس سلسلے میں کُفو کی شرط، ولی کا کردار اور دولہا دلہن کی اجازت بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں اقدامات کا معاشرتی پس منظر ہر باشعور انسان سمجھ سکتا ہے۔ پھر جب یہ یونٹ قائم ہو جائے تو شریعت نے اسے قائم رکھنے کے لیے شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض بیان کر دیے ہیں۔ یہ بھی ازدواجی تفاعل کی ایک صورت ہے۔ پھر مرد کو اختیار طلاق دینے کے باوجود طلاق کو حلال

[1]: سنن ترمذی: کتاب الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في الإمام ۶ : ۲۹۶، حدیث نمبر ۱۶۲۷

[2]: شعب الإیمان: الأمانات ومايجب من أدائها إلى اهله ۷ : ۲۰۳، حدیث نمبر ۴۸۸۱

چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں تو اگر یہ اختلاف بیوی کا پیدا کردہ ہو تو خاوند کی طرف سے اسے سمجھانا، اگر یہ کارگر نہ ہو تو گھر کے اندر عارضی علیحدگی اختیار کرنا، اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو حدود کے اندر رہتے ہوئے سختی کرنا ایسے اقدامات ہیں جو اس یونٹ کو بچانے کے لیے بتائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مرد کو بتادیا گیا کہ اگر عورت اطاعت گزار بن جائے تو اسے ستانے کے بہانے ہرگز تلاش نہ کیے جائیں۔ اس ساری تدبیر کے بعد بھی اگر اختلاف ختم نہ ہو یا یہ فیصلہ ہی نہ ہو پائے کہ قصوروار کون ہے اور معاملہ جدائی کے قریب پہنچ جائے تو یہاں ازدواجی تفاعل کا ایک اور عمل تجویز کیا گیا ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِه وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآاِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا[1]

اور اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں تو اللہ ان میں موافقت پیدا کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔

''ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے'' یہ الفاظ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ شریعت کے نزدیک ان دونوں کی اہمیت برابر ہے اور اگر منتظم خاندان کے طور پر صرف مرد ہی کو اہمیت حاصل ہوتی تو فیصلے کا اختیار اسی کو یا اس کے خاندان کو دیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہاں جس ازدواجی تفاعل کی ہم نے بات کی وہ افراد سے بڑھ کر اب برادری تک پہنچ گیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ شریعت نے میاں بیوی کی آپس کی رازداری کو بہت اہمیت دی ہے اور آپس کے راز افشا کرنے والے فرد کے لیے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس سب کے باوجود جب خاندان کے اس بنیادی یونٹ کے وجود کو خطرہ ہے اور آپس میں اس کا کوئی تصفیہ بھی نہیں ہو سکا تو اس سے اگلا درجہ برادری کا ہے اور اس میں ثالثی کو نسل کی بجائے رشتہ داروں کی مصالحتی کمیٹی کی تجویز دی گئی تاکہ ان دونوں کے اختلافات کی باتیں سرعام نہ ہونے لگیں۔

اس مجوزہ مصالحتی کمیٹی کے تفاعل میں بھی ایک عجیب قسم کی ازدواجیت پائی جاتی ہے۔ یہ بات تو انسانی علم اور تجربے سے ثابت ہے کہ مرد اور عورت کے مزاج میں سختی اور نرمی، پیار اور غصے وغیرہ کے اعتبار سے

[1]: سورۂ نساء۴: ۳۵

مختلف ہیں۔اب بظاہر تو یہاں حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے) ایک ایک نمائندے کا تذکرہ ہے مگر اس کے پیچھے دونوں برادریاں پوری طرح شامل ہیں۔ عورت کی برادری کی عورتیں تو اس کے ساتھ براہ راست مکالمہ کر سکتی ہیں، بہت سے مرد غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے آکر بات نہیں کر سکتے۔اس کے لیے محرم مرد ایک ریزرو فورس اور اس کی مکمل تائید و نصرت کے لیے اس کے پاس آجا سکتے ہیں، نصیحت کا عمل ہو یا معاملہ فہمی کا یہ سب کام وہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف مرد کی برادری کے سارے مرد اس کے پاس بلا روک ٹوک آکر بات کر سکتے ہیں مگر کچھ عورتیں غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے نہیں آسکتیں تو محرم عورتوں کی ایک ریزرو فورس اس کو نصیحت کرنے یا معاملہ فہمی کے لیے موجود ہیں۔اس طرح ایک نہایت متوازن ازواجی تفاعل کی بنیاد پر جب انہیں رشتہ داروں میں سے ایک مصالحتی کمیٹی فیصلہ کرتی ہے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس خلوص اور اپنائیت سے ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

شرعی جوڑے کے اس یونٹ میں ایک نہایت اہم پہلو اس کے افراد کے دائرۂ کار Job Description کا ہے شریعت نے اس انتظامی یونٹ کے اندر رہتے ہوئے مرد اور عورت دونوں کے تخصصات واضح کیے ہیں جنہیں حیاتیاتی تخصصات، معاشرتی تخصصات، شرعی تخصصات اور معاشی تخصصات یعنی حق ملکیت، کسب معاش، حق وراثت وغیرہ کے نام دیے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کے تذکرے کے لیے ایک مستقل مقالے کی ضرورت ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے گی۔

یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس یونٹ کے دونوں افراد اپنے اپنے تخصص کے اندر رہ کر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں جو کردار ادا کریں گے وہی قرآن کے تصور ازدواج کا خلاصہ اور وہی ان میں ہر ایک کا عملِ صالح ہو گا جیسا کہ اس کی تعریف پہلے کی جا چکی ہے۔اس یونٹ کا بنیادی کام معاشرے کی بقاء کے لیے خام مال کی تیاری اور ایک خاص سطح تک معاشرے کے وسیع ادارے کے ساتھ الحاق کے لیے اس کی تیاری کا ہے۔اگر اسی میں کسی جگہ خلل واقع ہو جائے جیسا کہ عام طور پر آج کل ہو رہا ہے تو وہ معاشرہ انسانی اقدار کھو بیٹھتا ہے۔ اس میں دولت اور ذاتی مفادات کو انسان پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، جس سے اچھی تجارت، اچھی صنعت، اچھی زراعت تو ہو سکتی ہے جسے آج کل ترقی کہا جاتا ہے مگر گاڑیاں دوڑاتے، جہاز اڑاتے، فضاؤں اور سمندروں کو چیرتے انسان ان مشینوں کے ساتھ مشینیں تو بن جاتے ہیں مگر انسانی اقدار ان سے کوسوں دور بھاگتی ہیں۔ایسے معاشرے کے استاذ، ڈاکٹر، وکیل، جج نیز تمام ہی خواہ اپنے پیشے کے پردے میں اپنا کاروبار تو کرتے ہیں، مگر انسانی اقدار ان کے ہاں بھی مرجھائی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس طرح ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرد و عورت ہر ایک کا اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہ کر شریعت کی منشاء کے مطابق کام کرنا عمل صالح ہے۔ اب اگر یہ دیکھنا ہو کہ عمل صالح سے خوش گوار زندگی کیسے حاصل ہوتی ہے تو اس کا خلاصہ مشہور مفسر قاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیہؒ کے الفاظ میں یوں ہے:

إن طيب الحياة اللازم للصالحين إنما هو بنشاط نفوسهم ونيلها، وقوه رجائهم، والرجاء للنفس أمر ملذّ، فبهذا تطيب حياتهم، وأنهم احتقروا الدنيا فزالت همومها عنهم،فإن انضاف إلى هذا مال حلال وصحة أو قناعة ، فذلك كمال، وإلا فالطيب فيما ذكرناه راتب[1]

زندگی کی خوشگواری جو صالحین کے لیے یقینی قرار دی گئی ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے نفوس چاق و چوبند رہتے ہیں، ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں اور ان کی امیدیں مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ امید کا مضبوط ہونا نفس کے لیے لذت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کی زندگی خوش گوار ہو جاتی ہے۔ اور چوں کہ وہ دنیا کو حقیر سمجھتے ہیں اس لیے اس کے حصول وغیرہ کی ساری پریشانیوں سے بھی وہ مبرا ہوتے ہیں۔ اگر ان کیفیات کے ساتھ رزق حلال اور صحت نصیب ہو جائے یا قناعت کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ کمال کی بات ہے ورنہ محض خوش گوار زندگی تو عمل صالح کے نتیجے میں مرتب ہوتی ہی ہے۔

اگر عملِ صالح نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ہو تو اس کے منفی اثرات یقینا ہوتے ہیں۔ ابن خیرہؒ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ ابن ابی حاتمؒ نے ہشام بن صالح تغلبی کی روایت سے ان کا قول نقل کیا ہے:

جزاء المعصية الوهن في العبادة ، والضيق في المعيشة،والتعسر في اللذه قيل : وما التعسر فياللذة ؟ قال:لايصادف لذة حلال إلا جاء ه من ينغصه إياها[2]

معصیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عبادت میں کمزوری آجاتی ہے، معیشت تنگ ہو جاتی ہے اور لذت دشوار ہو جاتی ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ لذت میں دشواری کا کیا مطلب ہے

[1]: المحرر الوجیز (تفسیر ابن عطیہ) ۴: ۱۹۶، سورۃ النحل ۱۶: ۹۷
[2]: تفسیر ابن کثیر ۳: ۶۴۲، سورۂ سبا ۱۷: ۳۴

توانہوں نے فرمایا: وہ جب کبھی بھی حلال طریقے سے بھی لذت حاصل کرنے کا موقع پاتا ہے کوئی نہ کوئی رکاوٹ اس میں حائل ہو جاتی ہے۔

جب کہ عملِ صالح کے فوائد میں سے ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہے کہ لذت حلال کو بھی صدقہ شمار کیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم، مسند امام احمد اور سنن بیہقی وغیرہ متعدد کتب احادیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مختلف دینی، رفاہی اور ذاتی کاموں کو صدقہ قرار دیا ہے اور اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وفي بُضع أحدكم صدقة قالوا يا رسول االله!: أيأتي أحدنا شهوته ويكون له فيها أجر؟قال: أرأيتم لو وضعها في الحرام أكان عليه فيها وزر؟قالوا:بلى!، قال: كذلك إذا هو وضعها في الحلال كان له أجر[1]

حدیث کا ترجمہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

هذا ما وصلنا إليه واالله اعلم بالصواب

[1]: صحیح مسلم: كتاب الزكاة ، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف ۲: ۶۹۷، حدیث نمبر۱۰۰۶

مصادر و منابع

۱۔ البخاری: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل الجعفی الکندی، الجامع الصحیح المختصر، تحقیق مصطفی دیب البغا، دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، ط۳، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء

۲۔ بعلبکی: روحی، ڈاکٹر، المورد القریب (عربی-انکلیزی)، طبعة جدیدة ملونة، دار العلم للملایین، بیروت۔

۳۔ بیہقی: ابو بکر احمد بن الحسین بن علی الخراسانی، شعب الایمان، تحقیق ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید حامد، ناشر مکتبة الرشد، الریاض، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۳ء

۴۔ بیہقی: السنن الکبریٰ، طبع دائرة المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۴ھ

۵۔ الترمذی: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی، السنن، تحقیق احمد بن شاکر و غیرہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۔ ابن تیمیہؒ: ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، مسألة فی المرابطة بالثغور افضل أم المجاورة بمکة شرفها اللہ، ط ۱، ۲۰۰۲، نشر اضواء السلف

۷۔ الزیات: احمد، وآخرون، المعجم الوسیط، تحقیق مجمع اللغة العربیة مصر، نشر دار الدعوة

۸۔ السعدی: عبد الرحمن ناصر، التنبیہات اللطیفة فیما احتوت علیہ الواسطیة من المباحث المنیفة، طبع دار طیبة، الریاض، ۱۴۱۴ھ

۹۔ سید قطب: فی ظلال القرآن، موقع التفاسیر، مکتبہ شاملہ

۱۰۔ ابن سیدہ: ابو الحسن علی بن اسماعیل المرسی، المحکم والمحیط الأعظم، تحقیق عبد الحمید ہنداوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰۔

۱۱۔ شنقیطی: محمد امین، تفسیر اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، ط دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء

۱۲۔ ابن عاشور: محمد بن الطاہر، التحریر والتنویر، دار سحنون للنشر والتوزیع، تونس، ۱۹۹۷ء

۱۳۔ ابن عطیہ: ابو محمد عبد الحق ابن عطیہ الاندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، تحقیق عبد السلام عبد الشافی محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

۱۴۔ الغزالی: محمد، الجانب العطفی من الاسلام، ط ۱، دار النهضة، مصر

۱۵۔ القرطبیّ: ابو عبد اللہ محمد بن احمد الخزرجی الانصاری، الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمنہ من السنة وآي الفرقان، مکتبہ شاملہ

۱۶۔ ابن کثیرؒ: ابو الفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ شاملہ

۱۷۔ مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری: الجامع الصحیح، تحقیق محمد فواد عبد الباقی، نشر دار احیاء التراث العربی، بیروت، ت۔ن۔

۱۸۔ ابن منظور الافریقی: لسان العرب، ط ۱، دار الصادر بیروت

۱۹۔ A text book of Science for Class vii, National Book Foundation,I slamabad ,2004

۲۰۔ A text book of Science for Class vii, National Book Foundation,I slamabad ,2004

۲۱۔ A text book of Science for Class 5, Dr. Pervez Aslam Shami, National Book Foundation, Islamabad

۲۲۔ A text book of General Science for Class IX & X, Prof. Muhammad Tahir ,Hassan and others, National Book Foundation, Islamabad 2003

۲۳۔ A text book of Computer Science for Class IX & X,Prof. Muhammad ,Muhammad Tahir Hassan, National Book Foundation, Islamabad 2003

۲۴۔ کمپیوٹر سٹڈیز برائے جماعت نہم و دہم، ناشر امتیاز بک ڈپو برائے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور، باب ٦، عددی نظام، ص ۳۴